عبدالوحید بلوچ
شعبہ سیاسیات
ڈاکٹر خلیل احمد لودھی
چیرمین پروفیسر شعبہ سیاسیات
وفاقی جامعہ اردو، کراچی

بلوچی زبان و ادب ایک تحقیقی جائزہ

BALOCH LANGUAGE AND LITERATURE AN ANALYTCAL RESEARCH

Abstract

Balochi is in all essentials a "Northwestern" Iranian language and is spoken in south-western Pakistan, south-eastern Iran, Southern Afghanistan the Gulf States and Turkmenistan. There are also communities of Baloch in east Africa and India, as well as in several countries of the west e.g. great Britain and the USA. It is very hard to estimate the total number of speakers of Balochi especially since central government do not generally stress ethnic identity in census reports but statistics available give at hand that at least between five and eight million Balochi speak the language. Linguistically Balochi belongs to the western group of the Iranian branch of the Indo-European language and is closely related to Kurdish and Persian.

Balochi possesses, however a rich oral literature of both poetry and prose. As a written language Balochi can be divided into two period the colonial period with British rule in India and period after the independence of Pakistan. Most of the existing written literature was produced as a result of British influence. The literature of this time on and in Balochi consists of grammar books and collections of oral poetry and tales, compelled in order to provide samples of the language and to make it possible for British military and civil officials to learn Balochi. With the withdrawal of the British and the independence of Pakistan 1947, the Baloch themselves became increasingly concerned with the development of their language Baloch poets who had previously composed in Persian and Urdu started to write poetry in their mother tongue. Literary circles were founded and publications of magazines and books in Balochi got underway. This use of Balochi as a written language has mainly been limited to Pakistan were Quetta and Karachi,

soon developed into the two main centers of Balochi literary activities. In Iran, Afghanistan, Turkmenistan and the Gulf States. Balochi is still basically on oral language, despite sporadic attempts at writing and publication. The primal aim of this papers dwells in an attempt to unveil the relevant analytical portrayal of the prevailing status of Balochi language and literature since its evolutional voyage from commencement.

کسی بھی زبان کی تاریخ لکھنے کے لئے جو چیز اہم ہوتی ہے وہ یہ کہ لکھنے والے یا مورخ کو زبان سے متعلق مکمل معلومات ہوں۔ مثال کے طور پر اس زبان کے بولنے والے لوگ کس قوم سے کس انسانی نسل کے کس طائفے سے تعلق رکھتے ہیں اور تاریخ طور پر اسکو یہ بھی جانکاری ہونی چاہئے کہ زبان بولنے والی قوم کن کن ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی موجودہ دور میں کس شکل میں پہنچی۔ یہ سب کچھ اس وقت تک ممکن ہو سکتا ہے کہ جب مؤرخ اس زبان بولنے والے گروہ یا قوم کی ثقافت اس کی رسم و رواج، میل جول کے طریقوں، دوستی اور دشمنی کے اصول، شادی و غمی کے قوانین، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اصولوں سے واقفیت رکھتا ہو اور ساتھ ساتھ اس زبان کے قدیم، قصے، کہاوت، ادب و شاعری وغیرہ سے بھی واقف ہو۔ سیدھی سی بات ہے کہ چیزوں کو سمجھنے کے بعد ایک ہی زبان پر لکھنے والا صحیح معنوں میں اس زبان کے بارے میں لکھ سکتا ہے اور اپنی رائے دے سکتا ہے لیکن اگر اس زبان پر لکھنے والا اس قوم کی قدیم داستانوں سے واقف نہیں تو یقیناً اپنی کم علمی کی وجہ صرف من گھڑت تذکروں پر اپنی رائے قائم کریگا اور مفروضوں پر بات کریگا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی تحقیق حقائق و سچائی پر مبنی نہیں ہوتی ہے۔
یہ امر طے ہے کہ کسی زبان کی بھی تشکیل کبھی بھی مکمل نہیں ہوتی بلوچی زبان جو آج جس شکل میں موجود ہے۔ دوسری زبانوں کی طرح اپنی تشکیل اور اپنی ارتقاء کے ہزاروں سال کا سفر طے کر کے آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستان میں سرکاری سطح پر بلوچی زبان وادب کی ترقی وفروغ کے لئے عملی طور پر اقدامات نہیں اٹھائے گئے، جس کی وجہ سے پاکستان میں بلوچی زبان اس شکل میں ترقی نہیں کر سکی جو اس کو کرنی چاہئے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بلوچی زبان کے لئے مختلف مسائل پیدا ہو رہے ہیں تعلیمی اداروں اور الیکٹرونک میڈیا پر غیر زبانوں کے افراد کی بالادستی ہے اور جو بلوچی زبان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ بلوچی زبان پاکستان کے تمام صوبوں میں بولی جاتی ہے لیکن پھر بھی اس کے ساتھ سوتیلی ماؤں جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک میں علاقائی زبانوں کی ترقی اور فروغ پر زبردست طریقے سے توجہ دی جاتی ہے مگر پاکستان میں علاقائی زبانوں خصوصاً بلوچی زبان کو پس پشت ڈالا گیا پتہ نہیں کب ہماری مقتدر قوتوں کو یہ بات سمجھ میں آئیگی کہ علاقائی زبانوں کو ترقی دے کر ہی ملک میں اتحاد و یگانگت پیدا کی جاسکتی ہے۔ پاکستان میں بلوچی زبان کی پسماندگی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آج تک بلوچی زبان میں ایک مسلمہ رسم الخط موجود نہیں یہاں تک کہ بلوچی اکیڈمی کوئٹہ جسے

حکومت بلوچستان کی سرپرستی حاصل ہے اب تک کوئی مسلمہ رسم الخط دینے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ بلوچستان، افغانستان، ایران اور خلیجی ممالک کے بلوچی جن کی مادری زبان بلوچی ہے اس دور جدید میں پسماندگی کا شکار ہیں۔ بہر حال اگر بلوچی زبان کی سرپرستی ذمہ داری کے ساتھ نہ کی گئی تو آنے والا وقت اور آنے والی نسلیں ہمیں معاف نہیں کرینگی۔

دنیا میں کوئی زبان محض تصورات کے بل بوتے پر معرض وجود میں نہیں آئی ہے۔ نہ ہی زبانوں کے وجود میں آنے کی وجہ پرندوں کی بولیوں کی نقل ہے اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ انسانوں کے باہمی روابط اور میل جول نے زبان کو بہت ہی مختصر وقت میں جنم دے دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان کی تشکیل ایک طویل تاریخ ہے بالکل اسی طرح جیسے خود انسان کی صدیوں پر محیط ارتقائی تاریخ۔ مختصر الفاظ میں زبان ہم اس آواز اور بات چیت کو کہہ سکتے ہیں جو اپنی روز مرہ زندگی میں بولتے ہیں اور اس گروہ کا ہر ایک فرد اس کو سمجھ سکتا ہے۔[۱]

کسی قوم کو سمجھنے کے لئے اس کی زبان کو سمجھنا ایک لازمی لاابدی امر سمجھا جاتا ہے کیونکہ زبان سے ہی قومیت کی تخلیق ہوتی ہے صاحب الرائے کہتے ہیں کہ قومیت کی تخلیق میں زبان کا درجہ مذہب کے بعد سب سے بڑھ کر ہے اگر اس کو ہم اب تک نہیں سمجھ سکے ہیں تو یقین کرنا چاہئے کہ ہم اب تک قومی حقیقت کی معرفت سے کوسوں دور ہیں۔[۲]

کسی قوم کی ابتداء کا اسراغ لگانے کے لئے اس کی زبان کے مطالعے کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ایک قوم میں یکجہتی اور اتحاد پیدا کرنے اسے منظم اور مستحکم کرنے میں اور اس کی تاریخ، روایت ورسوم قوانین اور لوک گیتوں کو محفوظ رکھنے میں زبان کا بڑا حصّہ ہوتا ہے۔[۳]

زبانوں کی تشکیل یکایک نہیں ہوتی یہ ایک تاریخی ارتقاء کا نتیجہ ہے قومیتوں کی تشکیل میں زبان ایک اہم عنصر ہے کسی بھی قومیت کے متعلق جاننے کے لئے اس کی زبان کا کھوج لگانا ضروری ہے یعنی ہم اس وقت تک اس قوم کی تاریخ، اس کے رسم ورواج اور اس کے لوک گیتوں کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتے جب تک کہ اس زبان کے بارے میں ہم مکمل تحقیق نہ کریں ہمیں اس وقت تک جان کاری حاصل نہیں ہوگی۔

تاریخ میں بلوچوں کا ذکر پہلے پہل دسویں صدی عیسوی یا چوتھی سن ہجری کے عرب مؤرخوں کے ہاں ملتا ہے البتہ فردوسی جس نے اپنے مشہور رزمیہ نظم شاہنامہ کے نام سے چار سو ہجری میں مکمل کی عرب مؤرخوں کے بیانات سے بہت پہلے زمانوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔[۴]

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بلوچی زبان کا ماخذ نہ پارتھین زبان ہے اور نہ ہی وسطی فارسی بلکہ ایک ایسی زبان ہے جو اب نیست و نابود ہو چکی ہے اور جو اگرچہ اپنی بعض خصوصیات میں ان دونوں

زبانوں سے کچھ حد تک ملتی جلتی تھی لیکن بعض باتوں میں وہ خاص انفرادیت کی حامل تھی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ زبان میدی زبان کی کوئی قسم ہو جسمیں ایسی کردوں کی بولیوں کی ملاوٹ ہو جو بلوچی زبان سے ملتی جلتی ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ یا تو بلوچوں کی اصلی سامی زبان ختم ہو گئی ہو جو اساری، اکادی، سمیری یا کالدینی زبانوں میں سے کوئی سی زبان ہو سکتی تھی یا پھر ان کی آریائی زبان سے اس حد تک متاثر ہوئی ہو کہ اس کی شکل ہی بدل گئی ہو اور باوجود بہت سے عربی الفاظ کی موجودگی کے وہ بحیثیت ایک سامی زبان کے ناقابل شناختی ہو گئی ہو۔ اس دوسری امکانی صورت کو ہم اس وجہ سے بھی نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ کسی عالم نے بلوچی زبان کی نہ تو سیر حاصل تحقیق کی ہے اور نہ ہی مندرجہ بالا کسی بھی زبان سے اس کا باقاعدہ تقابلی مطالعہ کیا ہے

دنیاوی طاقت کے حصول کی دوڑ میں آگے بڑھ جانے اور اپنی تہذیب کی بالادستی قائم رکھنے کی خواہش کی وجہ سے سامیوں اور آریائیوں میں وہ زبردست کشمکش ہوئی کہ آخر کار دونوں تہذیبیں ختم ہو گئیں اور نتیجہ ان کی زبانوں پر بھی اسکا بہت برا اثر پڑا۔ ۵

بلوچی زبان کی تاریخ اور نسلی تحقیق کے لئے بھی دو نمایاں نقطۂ نظر گذشتہ پچاس سالوں سے موضوع بحث ہیں دانشوروں کا ایک طبقہ اس خیال کا حامی ہے کہ بلوچی زبان اور بلوچ سامی النسل ہیں اور بلوچی زبان کلدانی اور آشوری وغیرہ زبانوں سے رشتہ پیوند رکھتی ہے اور بلوچ قوم عربی النسل سے متعلق ہیں جبکہ دوسرا طبقہ دانشوروں کا یہ رائے رکھتا ہے کہ بلوچ قومی لحاظ سے آریاؤں کی نسل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی زبان فارسی کی بگڑی ہوئی شکل نہیں بلکہ فارسی قدیم اس کا منبع ہے اور پہلوی، بلوچی دو جڑواں بہنیں ہیں اور اپنی تحقیق کو ہنحامنشی دور سے اور بے ستون کی سنگی تحریروں تک لے جا کر بلوچی زبان کو عظیم زبانوں کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ ۶

سردار خان گشکوری بلوچی اپنی کتاب "تاریخ نسل بلوچ" میں رقمطراز ہیں کہ "اس میں کوئی شک نہیں ہیں کہ بلوچی فارسی سے خاص قریب ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بلوچی زبان فارسی، ہندوستانی اور پشتو کے تمام مستعار الفاظ کے باوجود جو اس میں در آئے ہیں بنیاد طوپر اپنی ابتداء اور ترقی کے مدارج میں قدیم سامی (کالدین) سے متعلق ہے"۔

تفصیلی مطالعے کی غیر موجودگی میں اور مشہور مغربی زبان دانوں کے نظریات کے برخلاف قابل مصنف کی یہ رائے کچھ زیادہ صحیح نہیں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ موجودہ بلوچی زبان میں عربی اور سامی زبانوں کے کچھ الفاظ ضرور موجود ہیں لیکن عربوں کے ساتھ اسقدر عرصہ کے تعلقات کی بناء پر ایسا ہونا بالکل قدرتی بات ہے کسی قدیم زبان کے چند الفاظ کی موجودگی اس بات کو ثابت نہیں کر سکتی کہ بلوچی زبان کی ابتداء سامی ہے۔ ۷

احمد یار بلوچ اپنی کتاب تاریخ بلوچ قوم و قوانین بلوچ میں رقمطراز ہے کہ بلوچی زبان میں عربی الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود ہے تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے بلوچوں کی طرز معاشرت اور رسم و رواج عربی تہذیب و ثقافت سے قریب تر ہے۔ لباس کی مماثلت غیروں میں رشتے ناطے نہ کرنا اور وفاداری، بہادری، مہمان نوازی، ایفائے عہد کی پختگی اور رزم و بزم کے واقعات کو نظم کرنا اور یہ سب قدیم عرب تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہیں۔۸

دنیا میں دو زبانیں قدیم ہیں ایک ام السنتہ یا نسان المبین عربی اور دوسری سنسکرت، عربی زبان سے بلوچی زبان کی ابتداء ہوئی اس لئے بلوچی زبان کا شمار ان زبانوں میں ہو سکتا ہے جنہوں نے عربی زبان کی گود میں پرورش ہوئی۔۹

بلوچی زبان کے حوالے سے کامل القادری اپنی کتاب مہمات بلوچستان میں رقمطراز ہیں کہ بلوچی ایک فارسی نژاد زبان ہے اور اس کا رشتہ قریباً فارسی جدید سے ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ زندیا قدیم باختری زبانوں سے اس کی مشابہت بہ نسبت قدیم فارسی بہت زیادہ ہے بلوچی زبان کی فرہنگ کے اکثر الفاظ ایک طرف سے تو ہمسائے علاقے میں سکونت پذیر فارسی زبانوں کیلئے ہیں تو دوسری طرف ہندوستان کے سندھی جتکی زبانوں سے براہوی زبانوں کے صرف چند الفاظ ہیں جس کے برعکس براہوی زبان میں بلوچی کے بہت زیادہ الفاظ ہیں عربی زبان کا عنصر زیادہ نہیں ہے سوائے ایسی مذہبی اور مجرد اصطلاحات کے جو تمام مسلمان قوموں میں مشترک ہیں ان میں سے بھی اکثر فارسی زبان کے توسط سے آئی ہیں اگر عربی زبان کا اثر اہم اور حاوی ہوتا۔ تو حکومت، قبیلہ، تنظیم، جنگ، حالات حرب گھوڑوں اور دیگر اس قبیل کے عربی النسل نام ملتے ہیں جن سے ایک خانہ بندوش حاکم قبائل کو روزانہ سابقہ پڑتا ہے جسطرح انگریزی میں ایسے الفاظ نورمن فرنچ سے ماخوذ ہیں لیکن بمشکل ہی اس قبیل کا کوئی لفظ عربی زبان کا ملتا ہے حالانکہ سندھی زبان کے ایسے کچھ لفظ موجود ہیں اس قبیل کے اکثر و بیشتر الفاظ ایرانی الاصل ہیں یا پھر کچھ ترکی زبان سے بھی ماخوذ ہیں۔۱۰

بلوچی زبانی کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی؟ اس کے بارے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے اس سلسلے میں ماہرین لسانیات کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں بعض بلوچی زبان کو سامی اور بعض آریائی، بعض عربی و بعض قدیم فارسی زبان قرار دیتے ہیں۔

اگر علمی نقطہ نگاہ سے زبان پر تحقیق کی جائے تو ہم پر یہ حقیقت ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ بلوچی زبان قدیم آریائی زبان کی ایک شاخ کی حیثیت سے ابھر کر اور اپنی ارتقائی منازل طے کر کے آج موجودہ شکل تک پہنچی ہے اور سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ فارسی زبان سے نکلی ہو۔۱۱

بلوچوں کی اکثریت کو آریائی قرار دینے کا ایک بہت بڑا سہارا خود بلوچی زبان رہی ہے اور زبان

دانوں نے لسانیاتی رشتوں کے حوالے سے قرار دیا ہے کہ بلوچی ایک قدیم آیائی زبان ہے جو قدیم اوستا سے قربت رکھنے کے علاوہ اوستہ کے بہت سے الفاظ کو بھی استعمال کرتی ہے، جس طرح اس کا رشتہ فارسی اور پہلوی زبان سے موجود ہے اسی طرح مازندانی، گیلکی، اور دیگر زبانوں سے بھی اس کا لین دین موجود ہے اور بلوچی گرامر ساخت کے لحاظ سے پشتو کے ساتھ بہت قربت رکھتی ہے دونوں زبانوں میں ایک دوسرے کے بہت سے الفاظ موجود ہیں۔ علاوہ ازیں بلوچی میں سنسکرت کے بھی بہت سارے الفاظ موجود ہیں۔ ۱۲

بلوچوں کی اکثریت خواہ وہ مغربی بلوچستان میں رہتے ہوں یا مشرقی بلوچستان میں اپنی مادری زبان بلوچی بولتے ہیں جو آریائی زبانوں کے گروپ سے تعلق رکھتی ہے۔ ۱۳

بلوچوں کے عربی النسل ہونے کے بارے میں ماہر لسانیات کا کہنا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بلوچ قوم نے صدیوں قبل اسلام قبول کیا اس کی مذہبی عبادات عربی زبان میں ہے اور اسکے باوجود بلوچوں میں اس قسم کے رسم و رواج اور طور طریقے موجود ہیں جو عربی النسل والی قوم میں مروج نہیں ہیں اور نہ ہی ان رسومات کو آپ عربی نسل قرار دے سکتے ہیں اور بلوچی زبان بولنے والے آج بھی عربی زبان کے ان بنیادی الفاظ کو صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتے۔ جن کا تعلق اسلامی عبادات سے ہیں اور وہ شخص جو بلوچی زبان اور اس کے ادب و نثر ضرب المثل پہلیوں اور رسم و رواج سے اچھی طرح واقف ہو وہ دعوے کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ بلوچ عربی نسل سے نہیں ہے چونکہ بلوچ آریائی نسل سے تعلق رکھتی ہے اس لئے اسکی زبان بلوچی قدیم بھی آریائی بولیوں کے خاندان سے ہے جو میر کوہ کے علاقہ میں بولی جاتی تھی اس طویل عرصے کے دروان مروجہ زمانے کے ساتھ اور جغرافیائی حالات کے تحت اس آریائی زبان میں بھی تبدیلی آگئی اور اس سے کئی ایک زبانیں وجود میں آئیں اور وہ ابتدائی آریائی زبان کیا تھی ہم اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے البتہ ہمارے پاس اس زبان کی قدیم صورت وہی ہے جسمیں رگ وید کی زبان اور دسرے وید لکھے گئے ہیں رگ وید بھی کافی عرصے کے بعد لکھی گئی ہے اور اس لئے زبان میں کافی تضاد پایا جاتا ہے۔ ۱۴

ڈاکٹر محمد اسماعیل دشتی البو شہری لکھتے ہیں کہ "بلوچ قبائل بغیر کسی شک و شبے کے آریائی اصل ہیں بلوچی زبان کی تحقیق اور آریائی قوم کے ہجرت کے نظریے سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے"۔ ۱۵

بلوچی زبان جیسا کہ ماہرین لسانیات کا متفقہ فیصلہ ہے اور جس پر اتفاق رائے ہے کہ وسطی فارسی کی ایک شاخ ہے ڈیمز لکھتا ہے "بلوچی السنہ مشرقی ایران کی ایک زبان ہے اور جسکا سرچشمہ مشرق ایرانی شاخ ہے اور ہر چند بعض چیزوں میں اوستا سے زیادہ قدیم فارسی سے مماثلت رکھتی ہے"

سد ہش ور ما لکھتا ہے "بلوچی وسطی فارسی کی ایک شاخ ہے" (آریائی زبان ہے)

میر عبدالصمد امیری نے ایک مدلل مقالے میں یہ ثابت کرنیکی کوشش فرمائی ہے کہ بلوچی

قدیم ترین انفرادی حیثیت رکھنے والی زبان ہے اور اسے ام اللسان ہونے کا شرف حاصل ہے۔

علمائے لسانیات بلوچی کو وسط فارسی کی ایک شاخ تسلیم کرتے ہیں لہذا قدرتی طور پر بلوچی میں فارسی زبان کی متعدبہ مقدار میں فرہنگ پائی جاتی ہے۔

بلوچستان میں جب بلوچ آئے تو اپنے ساتھ وہی زبان لے کر آئے ہونگے جنکی جھلکیاں ہمیں چاکر اعظم کے عہد کے شعرا کے کلام میں نظر آتی ہیں، لیکن بعد میں جب بلوچوں میں انتشار پیدا ہوا اور مرکزیت ٹوٹ پھوٹ گئی تو زبان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہی اور دوسری بولیوں کے اثرات رونما ہونے لگے۔[١٦]

اگر ہم علمی حوالوں سے بحث کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بلوچی زبان قدیمی آریائی زبان کی ایک شاخ ہے تاریخ دان بھی بلوچوں کو آریائی نسل کہتے ہیں اس حوالے سے ان کی زبان بلوچی بھی قدیم آریائی بولی ہے اور اتنا ضرور ہے کہ جغرافیائی حالات کی وجہ سے آریائی بولی میں بھی تبدیلیاں آتی گئیں۔

بلوچ قوم اور اسکی سب سے بڑی قومی زبان بلوچی کی کھوج گزشتہ ڈیڑھ سو سالوں سے اسکالروں اکیڈمیشنز اور تحقیق کاروں کے لئے ایک معمہ بنی ہوئی ہے اصل میں سارے ایشیاء کی پوری آبادی کی مائیگریشن تھیوری نے دنیا کو بہت عرصے تک گمراہ کئے رکھا اور سارے ایشیائی انسانوں کو ریڑھی میں ڈال کر کبھی یہاں سے وہاں لے جایا گیا اور کبھی وہاں سے یہاں لایا گیا آریاء، نہ آریا کی بحثوں نے سب کا راستہ گم کر دیا۔ اس دو ڈھائی ہزار سال کے زمانے سے پہلے کے دور کے بارے میں لوگوں نے سوچا نہیں خود بلوچ محقق کا مسئلہ بھی یہ ہی تھا۔

ظاہر ہے کہ ہمارے سائنس دانوں کے پاس آرکیالوجی جیسی سائنسی مدد دستیاب نہ تھی لہذا ندازہ ہی نہ ہوتا تھا کہ ہم کن ہواؤں کے تھپیڑے ہیں کس علاقے کے مسکن ہیں کہاں سے آئے ہیں۔ کون بھائی ہے۔ کون چاچے کا بیٹا ؟ چونکہ واحد اوزار جو ہماری دسترس میں تھا وہ محض پانچ سو برس قبل کی کلاسیکل شاعری تھی۔ اس لئے چاکر رند کے عہد کو ہی ہر محقق اپنی اس لسانی بحث کا نقطۂ آغاز گردانتا چلا آرہا ہے پھر شاہنامہ فردوسی پڑھنے والے عالموں نے ہماری تاریخ کو ہزار سال پیچھے کھینچا تو بحثیں بھی زرا طوالت پکڑ گئیں اور یوں ابھی حال تک فارسی کے اس نامور شاعر ابوالقاسم فردوسی کے ان اشعار کو بلوچی زبان کا منبع وابتدا سمجھا جاتا رہا۔

سپاہے زگردان کوچ وبلوچ	:	سگالندہ جنگ مانند بلوچ
کہ کس در جہاں پشت ایشاں ندید	:	برہنہ یک انگشت ایشاں ندید
سپہ دار شان اشکش تیر ہش	:	کہ یاردائے دل بود بانفر خوش
در فشے برآوردہ پیکر پلنگ	:	ہے ازدر فششِ بہا زید جنگ

یعنی یہ لوگ اتنے بہادر تھے کہ دنیا میں اپنی مثال نہ رکھتے، جنگ سے منہ موڑتے اور جنگ میں ان کی پیٹھ نہ دیکھتا۔ انہوں نے جوشن۔ زرہ اور خود سے اپنے آپ کو اسطرح مزّین کرر کھا تھا ان کی انگلی بھی دیکھائی نہیں دیتی تھی۔ ان کا اپنا جھنڈا تھا جس پر چیتا بنا ہوا تھا۔ وہ اسی جھنڈے کو جنگ میں استعمال کرتے تھے۔

آج تک ہم بلوچ اس بحث نکلے ہی نہ دیئے گئے کہ ہماری زبان کی ساخت وپرداخت کیا ہے پہلوی سنسکرت دراوڑ وغیرہ۔ دوسری زبانوں سے ہمارے رشتے ناطے کیا ہے؟ اور ہم تاریخ میں کس جگہ کھڑے ہیں۔ ۱۷

بلوچستان کی سب سے بڑی آبادی زیادہ تر ان قبائل پر مشتمل ہے جو بلوچی زبان بولتے ہیں اور بلوچ کے نام سے مشہور ماسوائے خالص پشتون علاقوں کے یہ زبان تقریباً ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ۱۸

بلوچی زبان کی مغربی شاخ جو مکران شاخ جو مکران اور قرب وجوار کے علاقے میں بولی جاتی تھی میں بہت سے الفاظ فارسی کے ہے جبکہ مشرقی شاخ قربت کی وجہ سے سندھی، سرائیکی، پنجابی اور پشتوں سے متاثر ہے۔ بہر حال یہ دونوں شاخیں بنیادی طور پر ایک ہیں اور بخوبی بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ ۱۹

بلوچ خواہ سلیمانی بلوچی بولتے ہیں یا مکرانی بلوچی، خاران فارسی آمیز بلوچی بولتے ہوں یا زبانوں کے امتزاج کا شاہکار یعنی بروہی زبان ان کی نسلی وحدت میں کوئی فرق نہیں ہے بروہی زبان بولنے والے اسی طرح بلوچ ہیں جسطرح سلیمان مکرانی یا خارانی بلوچی بولنے والے بلوچ، بلوچ ہیں۔ ۲۰

پاکستان میں بلوچی زبان جن مسائل اور مشکلات میں گھری ہوئی ہے یہاں ریاست کے تمام تعلیمی ادارے اور الیکٹرانک میڈیا پر مسلط غیر زبان کے خود ساختہ ماہرین کا بلوچی زبان کے بارے میں رویہ ناگفتہ بہ ہے یہی وجہ ہے کہ دانشوروں کو بلوچی زبان پر تحقیق کرنے میں بہت مشکلات ہیں۔ ۲۱

یہ حقیقت بالکل درست ہے کہ اس وقت تک کوئی بھی علمی کتاب بلوچی زبان میں شائع نہیں ہوئی گویا تعلیم وقلمی کے لحاظ سے زبان بالکل مردہ ہے بلوچی زبان سے جس بے اعتنائی کا سلوک کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وقت قریب ہے کہ اس زبان کا ادبی سرمایہ ہے جو اس وقت بعض ڈوموں کے سینے میں محفوظ ہے اگر قلمبند نہ کیا گیا تو اس عظیم والشان قوم کا ادبی سرمایہ معدوم ہو جائے گا۔ ۲۲

پاکستان میں جہاں بلوچ بستے ہیں وہ اپنی بلوچی بولتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی طے شدہ ہے کہ ان کی نسلی وحدت، اتحاد ویگانگت میں بھی کوئی فرق نہیں آیا مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستان میں بلوچی زبان کی ترقی وفروغ کے حوالے سے ابھی تک راست اقدامات نہیں اٹھائے گئے۔

یہ درست ہے کہ علمی نقطۂ نظر سے بلوچی ایک تسلیم شدہ تحریری زبان نہیں رہی ہے اور نہ ہی

اس کا کوئی مسلمہ رسم الخط رہا ہے، لیکن اس کے باوجود اس میں ایک فصیح و بلیغ علمی و ادبی زبان بننے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے، اسمیں عشقیہ، رزمیہ، بزمیہ اور لقائیہ منظومات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ملتا ہے، جو چودھویں صدی عیسوی سے موجودہ دور تک پھیلا ہوا ہے بلوچ شعراء کی صدیوں کی ادبی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور جو اگرچہ زیور تحریر سے آراستہ نہیں ہوا لیکن بلوچ گوئیوں کو پشت در پشت سے سینہ بہ سینہ یاد چلا آتا ہے یہ ہی بلوچی کا ادبی سرمایہ ہے اور اگر ہم ادب کی کسوٹی پر بلوچی شاعری کو پرکھیں تو واضح ہو جائیگا کہ اس لحاظ سے بلوچی کا ادبی سرمایہ دنیا کی کسی اور قوم کے ابتدائی دور کے ادبی سرمائے سے کمتر نہیں ہے۔ ۲۳

بلوچی زبان اب ایک علمی و ادبی زبان بن رہی ہے جس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بلوچی زبان وادب اب ترقی کر رہا ہے۔ ۲۴

بلوچی زبان کے تحریری ادب کا باضابطہ افتتاح علمائے درخوانی نے کیا اس زمانے میں بائیبل کے ایک حصے کا ترجمہ بلوچی زبان میں ہوا اور ملا حضور بخش نے کلام پاک کا نہایت بلند پایہ ترجمہ بلوچی میں کر کے اس زبان کی صلاحیت اور قوت بیان کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھا دیا یہ دور بلوچی شاعری، ادب اور نثری ادب دونوں کے لحاظ سے نہایت دوررس نتائج کا حامل ثابت ہوا۔ ۲۵

بلوچی کا علمی و ادبی زبان ہونا دور کی بات ہے اس کے لئے کوئی مسلمہ رسم الخط بھی ابھی تک طے نہیں کیا جاسکا۔ 1940ء کے بعد سے قومی جذبات اور رجحانات کے ابھار کے ساتھ ساتھ بعض لکھے پڑھے نوجوانوں کو اپنی زبان کے بناؤ سنگھار کا بھی خیال پیدا ہوا۔ کچھ نئے شاعر پیدا ہوئے اور ایک دوما ہنامے بھی بلوچی میں شائع ہونے لگے کراچی اور کوئٹہ میں بلوچی ادبی دیوان اور بلوچی انجمنیں قائم ہوئیں اور بالآخر حکومت بلوچستان کے تعاون سے کوئٹہ میں ایک بلوچی اکیڈمی کی بنیاد بھی پڑ گئی اور بلوچی کتب کی اشاعت کا آغاز ہوا ماہنامہ "الس" کے نام سے بلوچی رسالہ بھی حکومت بلوچستان کی طرف سے شائع ہونا شروع ہوا لیکن ان تمام کاوشوں کے باوجود بلوچی کے لئے ایک مسلمہ رسم الخط کا وجود آنا اب تک ممکن نہیں ہو سکا بعض لکھنے والے عربی، فارسی، بعض اردو اور یہاں تک کے بعض حضرات سندھی رسم الخط میں حسب منشاء بلوچی کی املاء لکھتے رہتے ہیں بلوچی اکیڈمی بھی جسے حکومت بلوچستان کی سرپرستی حاصل ہے اس ضمن میں اب تک کوئی مسلمہ رسم الخط پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ ۲۶

یہ بات بھی واضح ہے کہ پاکستان میں بلوچی زبان کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک رکھا گیا اور گمان ہے کہ اس عظیم الشان قوم کا ادبی سرمایہ ختم نہ ہو جائے اور تو اور بلکہ بلوچی زبان کے حوالے سے کوئی متفقہ رسم الخط بھی موجود نہیں ہے اگرچہ اس عظیم زبان کا ادبی سرمایہ چودھویں صدی عیسوی سے موجودہ دور تک پھیلا ہوا ہے بلوچی زبان کا ادبی سرمایہ دنیا کی کسی اور قوم کے ابتدائی دور کے ادبی سرمائے سے کمتر نہیں، شکیل احمد بلوچ اپنی تصنیف "بلوچستان کی پکار" میں لکھتے ہیں کہ یہ سوالیہ نشان اپنی جگہ آب وتاب

سے موجود ہے کہ بلوچستان کی سر زمین پر بولی جانے والی بلوچی زبان اب تک پسماندہ ہے افغانستان کے بلوچوں، ایرانی بلوچوں، خلیجی ممالک کے لاکھوں بلوچوں کی مادری زبان بلوچی بھی اس جدید ادبی دور میں شدید پسماندگی کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔ عظیم بلوچی ادیب دانشور اور شاعر سید ظہور ہاشمی کی زبان آج بھی رسم الخط سے محروم ہے ایسی ایک رسم الخط جو کہ تمام بلوچوں کیلئے قابل قبول ہو۔ اس وقت اس زبان وادب نے بارے میں بے پنا ترقی کی منزلیں طے کی ہیں زبانوں وادب کے بارے میں وسیع پیمانے پر تحقیق ور سرچ ہوئی مگر بڑے افسوس اور دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ اس تیز رفتار ترقی کے دور میں بلوچی زبان اور ادب ترقی کے بجائے تیزی سے ادبی طور پر پیچھے جارہی ہے جو کہ ایک قومی المیہ سے کم نہیں ہے۔ ۲۷

جبکہ پروفیسر ڈاکٹر زینت ثناء لکھتی ہے کہ بلوچی زبان گزشتہ پچاس سالوں میں اسطرح تیز رفتار ترقی کر کے ادبی مقام پاچکی ہے کہ اپنی ہم عصر زبانوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں یہ زبان کی ترقی اور اس میں ادبی صلاحیتوں کا ثبوت ہے اور یہ ہی خواب ہے کہ جس کی تعبیر کے لئے بلوچ شاعر اور ادیب مصروف عمل ہیں۔ ۲۸

1972-1973ء میں جب نو ماہ کے ایک مختصر عرصے کے لئے بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت علمائے السلام کی حکومت بنی تو اس میں دیگر امور کے علاوہ بلوچی زبان اور اس کے لئے ایک مسلمہ رسم الخط مقرر کرنے کی طرف بھی توجہ دی یکم ستمبر 1972 کو کوئٹہ کے مقام پر بلوچستان، کراچی، سندھ اور ڈیرہ غازی خان کے سرکردہ ادیبوں، شاعروں اور ماہرین تعلیم کا ایک اجلاس مرتب کیا گیا۔ یہ اجلاس تین دن تک جاری رہااور اس میں بلوچی اور اس کے رسم الخط سے متعلق تمام امور زیر بحث آئے اور طے پایا کہ موجودہ دور کے سائنسی دور کے تقاضوں اور بلوچی مزاج کے پیش نظر رومن رسم الخط اس کیلئے موزوں ترین ہے لہذا اسے اختیار کیا جائے اور ایک کمیٹی بھی تشکیل دی گئی جو اس سلسلے میں ترکی اور دوسرے بعض ممالک سے رابطہ قائم کر کے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے لیکن نیشنل عوامی پارٹی اور جمعیت العلمائے اسلام کی حکومت کے ساتھ بلوچی ادیبوں، شاعروں، ماہرین اور دانشوروں کی یہ تجویز بھی گاؤخورد ہوگئی۔ ۲۹

بلوچی ادیب ودانشوروں کو اس بات کی تشویش لاحق ہے کہ پاکستان، افغانستان، ایران اور خلیجی ممالک کے لاکھوں، کروڑوں بلوچوں کی یہ بولی دور جدید میں کیوں اسقدر پسماندہ ہے اس تیز رفتار دور میں بھی بلوچی زبان وادب کیوں پیچھے ہے جبکہ بعض بلوچی ادیب ودانشور بلوچی زبان کی ترقی کے حوالے سے پر امید ہیں۔ بلوچی رسم الخط کے حوالے سے ایک پر امید کاوش 1970ء کی دہائی میں جب بلوچستان میں نیپ کی حکومت قائم ہوئی تو اس وقت ماہرین تعلیم نے رومن رسم الخط کو بلوچی رسم الخط کے حوالے سے موزوں قرار دیا مگر جب نیپ NAP کی حکومت ختم ہوئی تو یہ کوشش بھی بارآور ثابت نہ ہوئیں۔

بہر حال اگر بلوچی زبان کی سرپرستی خلوص کے ساتھ آج نہ کی گئی تو آنے والا وقت ہمیں کبھی معاف نہیں کریگااور بلوچی زبان کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق رہنمائی کی ضرورت ہے اس حوالے سے ممتاز، ادیبوں، شاعروں اور قلم کاروں کو خلوص نیت کے ساتھ اپنی زبان وادب کی ترقی و ترویج کے لئے بلوچ اکیڈمی کے تعاون سے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے تا کہ بلوچی زبان بھی موجودہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے دور میں دوسری زبانوں کی طرح ترقی کرسکے۔ ۳۰

بہر حال یہ حقیقت ہے کہ بلوچی ان قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے جو ابھی تک کروڑوں انسانوں کی زبان ہے ہزاروں سال سے بیرونی اثرات اس پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں اور یہ زمانے کے گرم و سرد سے متاثر ہوتی رہی ہے لیکن یہ ابھی تک مستعمل ہے کچھ عرصے بیشتر تک یہ تحریری زبان نہ تھی صرف گفت و شنید تک محدود تھی قدرتی طور پر کسی زبان کا استحکام اس کے بولنے والوں کی خصوصیات پر منحصر ہوتا ہے اب یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ملک میں عام تعلیمی ترقی اور خاص طور پر اس کی دلچسپی کے پیش نظر جو تعلیم یافتہ بلوچ اپنی زبان اور ادب میں لے رہے ہیں بلوچی زبان کا مستقبل نہایت روشن اور تابناک ہے ۳۱

بلوچی اپنے بلند مقام پر فخر واستقامت سے نہ صرف براجمان ہے بلکہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارتے، نکھارتے اور منظر عام پر لانے میں ہمہ تن مصروف ہے اس لئے ہم بلاخوف و تردد یہ کہہ سکتے ہیں کہ بلوچی ہی بلوچستان کی وہ واحد زبان ہے جس میں فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ پھلنے پھولنے اور آگے بڑھنے کی وہ تمام صلاحیتں موجود ہے جو ایک علمی زبان کے لیئے ضروری ہوتی ہے بلوچی زبان کے قدیم اور جدید شعراء کا کلام ہمارے دعوے کی تائید کرتا ہے۔ ۳۲

یہ بات بھی اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ بلوچی زبان کروڑوں انسانوں کی زبان ہے اگرچہ وقت اور حالات نے اس کی پسماندگی میں اہم کردار ادا کیا مگر اب تعلیم یافتہ بلوچ اپنی زبان اور ادب میں دلچسپی لے رہے ہیں اس کے ساتھ بلوچی اکیڈمی بھی بلوچی زبان میں ادب کے حوالے سے اپنا کردار ادا رہی ہے اس لئے یہ بات بڑی وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس زبان وادب کا مستقبل روشن و تابناک ہے اور اس میں پھلنے اور پھولنے کے امکانات واضح ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ بلوچ میر شیر محمد مری، مترجمین، آغا نصیر احمد زئی بلوچ، پیر محمد بلوچ زبیرانی بلوچ، "بلوچی زبان وادب کی تاریخ،" بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، سن اشاعت ندارد، ص ص ۱، ۲

۲۔ نصیر میر گل خان، "بلوچستان قدیم وجدید تاریخ کی روشنی میں"، گوشہ ادب کوئٹہ 1982ء، ص 206

۳۔ بجارانی جسٹس میر خدا بخش مری، مترجم پروفیسر سعید احمد رفیق، "بلوچستان تاریخ کے آئینے میں" گوشۂ ادب کوئٹہ 1986ء"، ص47

۴۔ نصیر میر گل خان، "کوچ و بلوچ"، سیلز اینڈ سروسز، کوئٹہ 1999ء ص135

۵۔ بجارانی" جسٹس میر خدا بخش مری، مترجم پروفیسر سعید احمد رفیق" بلوچستان تاریخ کے آئینے میں"، گوشۂ ادب کوئٹہ 1986ء"، ص ص53 54

۶۔ ثناء پروفیسر ڈاکٹر زینت، "بلوچی ادب میں تنقید نگاری"، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ 2014ء، ص ص302 303

۷۔ بجارانی جسٹس میر خدا بخش مری، مترجم پروفیسر سعید احمد رفیق"، بلوچستان تاریخ کے آئینے میں"، گوشہء ادب کوئٹہ 1980ء"، ص49 50

۸۔ بلوچ احمد یار، "تاریخ بلوچ قوم و خواتین بلوچ"، العصر پبلیکیشنز لاہور، 2007ء، ص ص35 37

۹۔ شیدائی مولائی، "سر زمین بلوچ"، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، 1994ء ص35

۱۰۔ القادری کامل، "مہمات بلوچستان"، گوشۂ ادب کوئٹہ 2008ء، ص ص118، 117

۱۱۔ بلوچ میر شیر محمد مری، مترجمین، آغا نصیر احمد زئی، پیر محمد زبیرانی بلوچ، (بلوچی زبان و ادب کی تاریخ)، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، سن اشاعت ندارد، ص56

۱۲۔ مری ڈاکٹر شاہ محمد، "بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک"، تخلیقات لاہور 2005ء، ص ص44، 43

۱۳۔ پیکولین م۔ک، ترجمہ ڈاکٹر شاہ محمد مری، "بلوچ"، تخلیقات لاہور 2006ء، ص83

۱۴۔ بلوچ میر شیر محمد مری، مترجمین، آغا نصیر خان احمد زئی بلوچ، پیر محمد زبیرانی بلوچ، " بلوچی زبان ادب کی تاریخ"، بلوچ اکیڈمی کوئٹہ، سن اشاعت ندارد، ص ص22-25

۱۵۔ البوشہری، ڈاکٹر محمد اسماعیل دشتی، مترجم محمد صادق بلوچ، "بلوچ تاریخ اور عرب تہذیب"، ناشر اسحق بلفتی النمری بلوچ، فضل سنز لمیٹڈ کراچی، 1999ء، ص472

۱۶۔ القادری، کامل، "مہمات بلوچستان"، گوشتہء ادب کوئٹہ، 2008ء، ص ص220، 219

۱۷۔ مری شاہ محمد، "بلوچی زبان و ادب"، گوشۂ ادب کوئٹہ، 2014ء، ص ص25، 24

۱۸۔ دہوار، ملک محمد سعید، "تاریخ بلوچستان"، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، 2007ء، ص65

۱۹۔ بجارانی، جسٹس میرا خدا بخش مری، ترجمہ پروفیسر سعید احمد رفیق، "بلوچستان تاریخ کے آئینے میں"، گوشۂ ادب کوئٹہ، 1980ء، ص49

۲۰۔ بلوچ احمد یار، "تاریخ بلوچ قوم و خواتین بلوچ"، العصر پبلیکیشنز لاہور، 2007ء، ص36

۲۱۔ ثناء، پروفیسر ڈاکٹر زینت، "بلوچی ادب میں تنقید نگاری"، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، 2014ء، ص301

۲۲۔ شیداء مولائی، "سر زمین بلوچ"، بلوچ اکیڈمی کوئٹہ، 1994ء، ص34

۲۳۔ نصیر میر گل خان، "بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں"، گوشۂ ادب کوئٹہ 1982ء، ص223

۲۴۔ ہاشمی سید نوید حیدر، "بلوچستان عالمی قوتوں کے نرغے میں"، العصر پبلیکیشنز لاہور 2008ء ص81

۲۵۔ القادری کامل، "مہمات بلوچستان"، گوشۂ ادب کوئٹہ، 2008ء، ص113

۲۶۔ نصیر میر گل خان، "بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں"، گوشئہ ادب کوئٹہ، 1980ء، ص ص 221، 222
۲۷۔ بلوچ شکیل احمد، "بلوچستان کی پکار"، سیلز اینڈ سروسز کوئٹہ سن اشاعت ندارد، ص 97
۲۸۔ ثناء پروفیسر ڈاکٹر زینت، "بلوچی ادب میں تنقید نگاری"، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، 2014ء، ص 169
۲۹۔ نصیر میر گل خان، "بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں"، گوشئہ ادب کوئٹہ 1982ء، ص ص 223، 222
۳۰۔ بلوچ شکیل احمد، "بلوچستان کی پکار"، سیلز اینڈ سروسز کوئٹہ سن اشاعت ندارد، ص ص 105، 104
۳۱۔ بجارانی جسٹس میر خدابخش مری ترجمہ پروفیسر سعید احمد رفیق، "بلوچستان کی تاریخ کے آئینے میں"، گوشئہ ادب کوئٹہ 1980ء، ص 55
۳۲۔ نصیر میر گل خان، "بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں"، گوشئہ ادب کوئٹہ 1982ء، ص 225